تفسیر ضیاء القرآن میں کلام عرب سے استشہاد

Testimony of Tafsir Zia 'ul Qurān from Arabic playscript

*عبد الغفار

**ڈاکٹر سلطان محمود خان

Abstract

Tafsir Zia 'ul Qurān is a Qurānic exegesis (tafsir) written by Pir Muhammad Karam Shah Al-Azhari. It is a great gift for humanity which took two decades for its completion. It is easy to understand as it inculcates the reality and facts in the hearts of readers. This masterpiece of Qur**ā**nic exegesis has a great worth in Urdu exploratory literature. If a person is interested in Islamic Theology, can get benifits from it. It contains the glimpse of all masterpieces of Quranic exegesis written in past as well as in modern age. Modern textuality and stylistics are its prominent qualities. All grammatical tactics has been well used in this masterpiece but at the same time, we have the interpretation of thirteen hundred words by using literal, lexical and syntactic researches. We have thought-*provoking* explanation of Islamic moral philosophy and all other social, economical and political aspects. Tha grammatical tactics used in Tafsir Zia 'ul Quran might not be found in any other book of Quranic exegesis. One of the best characteristics of Tafsir Zia 'ul Qurān is that it provides testimony of Qurānic lexicalization from Arabic lexicography. Arabic poetical verses has also been used in this masterpiece to interpret all literal and syntactic

*پی ایچ ڈی سکالر شعبۂ علوم اسلامیہ و عربی، گومل یونی ورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

** لیکچرر سنٹر آف ایکسیلینس، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور

researches. Its individuality is that it carries the reflection of its writer's taste of Arabic poetry as well as his depth of research and meditation. One can't find this quality anywhere in Urdu exploratory literature except Tafsir Tadabur ul Quran.

Key words: Zia 'ul Qurān, Testimony, Arabic playscript, Qurānic exegesis. Literature

موضوع کا تعارف

عرب میں بہت سے قبائل اپنی لغت، زبان کی فصاحت اور لہجہ کی صحت کے لحاظ سے مشہور اور قابل اعتماد تھے۔ یہ قبائل بعثت رسول ﷺ سے پہلے موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود رہے۔ ان قبائل کا بہت سا کلام اس وقت ہی ضائع ہو گیا تھا۔ سارے کا سارا کلام ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ جو کلام ہم تک منتقل ہوا ہے، وہ کلام نظم میں بھی ہے اور نثر میں بھی۔ اس کلام میں سے شاعری بہت اہم ہے۔ یہ عربوں کا دیوان ہے یعنی جامع کتاب ہے۔ یہ شاعری ان کے تحفظِ نسب، فضائل ومناقب، عادات واطوار، رسوم ورواج تعلیم وتعلم اور تہذیب وثقافت کی آئینہ دار ہے۔ یہی شاعری کتاب اللہ، احادیث رسولؐ اور اقوال صحابہ کے غرائب اور مشکل الفاظ کی تشریح وتوضیح کے لیے صحت اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن الانباری نے کہا ہے کہ عربی زبان اور عربی شاعری سے قرآن کریم کے غریب اور مشکل الفاظ کے معانی پر استشہاد کرنا صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اور تابعین عظام سے ثابت ہے۔[1] حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس نے کہا: جب تم مجھ سے غرائب قرآن کے متعلق پوچھتے ہو تو اسے شاعری میں تلاش کیا کرو، بے شک شاعری عربوں کا دیوان ہے۔[2] اسی طرح سعید بن جبیرؒ اور یوسف بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن عباس سے قرآن کے معانی کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فرماتے کہ یہ ایسے ہے اور کیا تم نے اس شاعر کو نہیں سنا جو اس طرح اس طرح کہتا ہے۔[3] کسی آدمی نے عکرمہؓ سے زنیم کے معنی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اس کا معنی ہے ولد الزنا یعنی حرامی اور اس کے لیے یہ شعر بطور استشہاد پیش کیا:

ے زنیم تداعاه الرجال زيادة

كما زيد في عرض الأديم الأكارع ۔[4]

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب ان سے قرآن کے حوالے سے استفسار کیا جاتا تو وہ قرآن کے معانی بیان کرتے

---

[1] محمد بن احمد قرطبی انصاری، الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان، س۔ن، 1/ 24

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان، س۔ن، 1/ 24

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت، لبنان، س۔ن، 1/ 24

[4] ابو العباس المبرد، الکامل في اللغة والأدب، دار المعرفة بیروت لبنان۔2004ء، ج2، ص604؛ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 1/ 25

ہوئے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا کہ وہ تفسیر کے لیے اشعار سے استشہاد کیا کرتے تھے۔[5] اسامہ بن زید عکرمہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابن عباس کے پاس نافع بن ارزق بیٹھے ہوئے تھے، وہ آپ سے سوال کر رہے تھے اور لغت عرب سے استشہاد کا مطالبہ کر رہے تھے۔ چنانچہ اس نے فرمان باری تعالیٰ {وَٱلَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ} [6] "اور رات کی قسم اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے۔" بارے میں میں پوچھا تو ابن عباسؓ نے جواب دیا: وما جمع (اور جن کو وہ سمیٹ لے)، تو اس نے پوچھا کہ کیا عرب اس معنی کو جانتے ہیں تو ابن عباس نے کہا۔ کیا آپ نے راجز کا یہ قول نہیں سنا:

ان لنا قلائصاً حقائقاً ؎

مستوسقات لو يجدن سائقاً۔[7]

یہ وہی نافع بن ارزق ہیں، جن کے سوالات اور ابن عباس کے جوابات کو آئمہ فن نے مسائل نافع بن ارزق کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔[8] تفسیر ضیاء القرآن اردو زبان کی ایک منفرد اور شاندار تفسیر ہے۔ یہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی 20 سالہ محنت کا ثمر ہے۔ یہ اردو زبان کے تفسیری ادب میں ایک امتیازی شان کی حامل تفسیر ہے۔ علوم اسلامیہ میں سے ہر علم کا ذوق رکھنے والے قاری کے لیے اس میں تسکین کا وافر سامان موجود ہے اور اس میں جدید و قدیم تمام تفاسیر کے رجحانات کی جھلک نظر آتی ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن میں جہاں نحوی تراکیب کے سلسلے میں مختلف مقامات پر انتہائی علمی انداز میں بحث کی گئی ہے، وہاں لغوی تحقیق کے حوالے سے بھی مختلف جلدوں میں تقریباً تیرہ سو الفاظ کی شرح کی گئی ہے۔ بعض کلامی مسائل پر سیر حاصل بحث کے علاوہ اسلام کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں پر فکر انگیز گفتگو کی گئی ہے۔ ضیاء القرآن میں جس قدر نحوی تحقیقات کا اہتمام کیا گیا ہے، شاید ہی کسی اور اردو تفسیر میں ایسا کیا گیا ہو۔ صاحب تفسیر خود بیان کرتے ہیں کہ جہاں کوئی لغوی، نحوی یا صرفی الجھن اور پیچیدگی پیش آئی۔ میں نے کوشش کی ہے کہ آئمہ فن کے مستند حوالوں اور اقوال سے اس کا حل پیش کر دوں تاکہ کوئی خلش نہ رہے۔[9] محمد شریف سیالویؒ، سابق صدر شعبہ عربی، بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان، ضیاء القرآن کی اس نمایاں خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہؒ نے ضیاء القرآن تصنیف فرما کر نوجوان نسل خصوصاً طلبہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اس سے قبل الفاظ قرآن کی لغوی اور صرفی و نحوی تحقیق کے لیے مفردات امام راغب

---

[5] جلال الدین سیوطی عبد الرحمن، الاتقان فی علوم القرآن، سہیل اکیڈمی لاہور، 1980ء، 1/ 21-20

[6] القرآن،، 17:84

[7] حقائقاً: الحقۃ: من الابل جو حمل ہونے کی مدت کو پہنچ چکی ہیں اگر وہ کسی جماع کرنے والے کو پائیں تو وہ جماع کی طلب اور خواہش رکھنے والی ہیں۔ (الکامل، ج2، ص604)

[8] ابو بکر بن الانباری نے اپنی کتاب الوقف والابتداء میں، محدث طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں مسائل نافع بن ارزق کے عنوان سے ان سوالات اور اشعار پر مشتمل حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے جوابات کو جمع کر دیا ہے۔ الاتقان میں ان اشعار کی تعداد 187 ہے۔؛ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، 1/ 133-120

[9] الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 2015ء، 1/ 11

،القاموس، لسان العرب اور المحیط جیسی ضخیم کتب لغت کی ورق گردانی کرنا پڑتی تھی لیکن مصنف ضیاء القرآن نے تحقیق کر کے اور ان کے ساتھ فہرست کا اضافہ کر کے ہم طلبہ کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے۔[10] نیز مولانا غلام رسول سعیدی تفسیر ضیاء القرآن کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی ضیاء القرآن پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آیات اور مندرج احادیث کا ترجمہ بالعموم تحت اللفظ ہے۔ تفسیر میں زیادہ تر اختصار ہے۔ تفسیر کی عبارت اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے۔[11] تفسیر ضیاء القرآن کے اوصاف میں سے ایک نمایاں وصف قرآنی الفاظ کے معانی کے لیے کلام عرب سے شواہد پیش کرنا بھی ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن کا یہ منفرد وصف جہاں اس کے مفسر کے عربی ادب بالخصوص عربی شاعری سے ذوق اور شغف پر دلالت کرتا ہے، وہاں لغوی تحقیقات کے سلسلے میں ان کی فکر اور تحقیق کے تعمق اور گہرائی پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ اردو کے تفسیری ادب میں سوائے تدبر قرآن کے یہ خصوصیت شاید ہی کسی دوسری تفسیر میں اس قدر نمایاں نظر آئے۔ ضیاء القرآن میں کئی مقامات پر لغوی تحقیق کے لیے اور کئی مقامات پر نحوی تحقیق کے سلسلے میں کلام عرب کے مختلف اشعار سے استشہاد پیش کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر علم بیان کے حوالے سے بھی اشعار سے استدلال کیا گیا ہے۔ کسی واقعہ کی تاریخی تعین کے سلسلے میں بھی کلام عرب سے استشہاد دیکھنے کو ملتا ہے۔ جس کی چند مثالیں اس مقالہ میں پیش کی جارہی ہیں:

1 لغوی مفاہیم کی تحقیق کے لیے استشہاد

پیر کرم شاہ نے قرآن مجید کے لغوی مفاہیم کی تحقیق کے لیے کلام عرب سے نظم و نثر کو لیا ہے، جن میں سے چند بطور مثال پیش کی جاتی ہیں:

- قرآن کریم میں ہے: {ٱللَّهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَيَمُدُّهُمۡ فِي طُغۡيَٰنِهِمۡ يَعۡمَهُونَ}[12] "اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔" آیت میں مذکور لفظ استہزاء کی تفسیر کرتے ہوئے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ قرطبی نے لفظ استہزاء کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ أصل الاستھزاء: الانتقام۔ استھزاء کا معنی انتقام لینا ہے۔ سند کے طور پر یہ شعر بھی لکھا ہے:

ے قد استهزأوا منهم بألفى مدجج
سراتهم وسط الضاضح جثم

اس تحقیق کے مطابق اللہ یستھزأبھم کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی شرارتوں کا انتقام لیتا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف استہزاء کی نسبت میں کوئی قباحت نہیں۔[13]

اس شعر کا قائل معلوم نہیں ہو سکا۔ اسے سمین حلبی نے الدر المصون[14] میں اور علامہ قرطبی نے تفسیر قرطبی[15] میں

---

[10] محمد امین الحسنات شاہ، پیر (مدیر اعلیٰ)۔ ضیائے حرم ماہنامہ لاہور، مقالہ: ڈاکٹر محمد شریف سیالوی، اپریل مئی 1999ء، ص 181-180

[11] سعیدی، غلام رسول، مولانا، تبیان القرآن، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، 2009ء، 1/128

[12] القرآن، 2:15

[13] الازہری، ضیاء القرآن، 1/36

[14] حلبی، سمین۔ الدر المصون (ت: د۔ احمد محمد الخراط)، دار القلم، 1993ء، 1/150

نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{وَمَنۡ أَحۡسَنُ دِينٗا مِّمَّنۡ أَسۡلَمَ وَجۡهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحۡسِنٞ وَٱتَّبَعَ مِلَّةَ إِبۡرَٰهِيمَ حَنِيفٗاۗ وَٱتَّخَذَ ٱللَّهُ إِبۡرَٰهِيمَ خَلِيلٗا }[16]"اور دینی لحاظ سے اس شخص سے کون بہتر ہے جس نے جھکا دیا ہو اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور پیروی کی ملت ابراہیمؑ کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنالیا ہے۔"

آیت میں موجود لفظ خلیل کی تفسیر کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ لفظ خلیل کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب المنار یوں لکھتے ہیں: يطلق الخليل بمعنى الحبيب أوالمحب لمن يحبه ،اذا كانت هذه المحبة خالصة من كل شائبة بحيث لم تدع في قلب صاحبها موضعاً لحب الآخر، وهو من الخلة أى المحبة والمودة التي تتخلل النفس وتمازجها كما قال الشاعر:

ے قد تخلّلت مسلک الروح منی

و به سمی الخلیلُ خلیلاً

یعنی خلیل کا لفظ اس حبیب اور محب پر بولا جاتا ہے جس کے دل میں اپنے محبوب کی محبت یوں بس جائے کہ کسی غیر کی محبت کی گنجائش تک نہ رہے۔ خلۃ اس محبت کو کہتے ہیں جو نفس میں رچ جائے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ اے محبوب جہاں میری روح ہے تیرا عشق وہاں سما گیا ہے۔ اسی وجہ سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔[17] یہ شعر بشار بن برد کا ہے اور ان کے دیوان[18] میں موجود ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمۡ رَٰكِعُونَ}[19]"تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پاک ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور ہر حال میں وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں۔" لفظ رکع کا مفہوم متعین کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ رکع بمعنیٰ خشع کثیر الاستعمال ہے مثلاً:

ے لا تھن الفقیر علک أن

ترکع یوما والدھر قد رفعهٔ رفعه

---

[15] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 1/314

[16] القرآن، 125:4

[17] الازہری، ضیاء القرآن، 1/398-397

[18] بشار بن برد۔ دیوان ، شرح حسین حموی، دار الجیل ،بیروت، 1996ء ،2/475؛ الماوردی، ادب الدین والدنیا، مصطفیٰ بابی الحلبی، 1955ء، ص148

[19] القرآن، 55:5

یعنی کسی فقیر کو حقارت کی نظر سے مت دیکھ، ہو سکتا ہے کہ تو ذلیل ہو جائے اور زمانہ اس کو سر بلند کر دے۔[20] ابن عقیل ہمدانی نے اسے اپنی شرح[21] میں نقل کیا ہے اور اسے اضبط بن قریع السعدی سے کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسے جوہری نے بھی صحاح[22] میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے: {وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَٰطِينَ ٱلْإِنسِ وَٱلْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ ٱلْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ }[23]"اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن یعنی سرکش انسان اور جن، جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اگر چاہتا آپ کا رب تو وہ یہ نہ کرتے سو چھوڑ دیجیے انہیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں اور چھوڑ دیئے تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں ایمان لائے آخرت پر اور تاکہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وہ اب کر رہے ہیں۔ "

لفظ عدو کے معنی کی تعیین کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ عدو (واحد) اعداء (جمع) کے معنی میں ہے۔ اس کی متعدد نظیریں قرآن کریم میں نیز فصحائے عرب کے کلام میں ملتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: او الطفل الذی لم یظہروا علی عورات النساء ، یہاں طفل جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ابن الانباری نے ایک شعر پڑھا:

اذا أنا لم انفع صديقي بودّه

فان عدوي لم يضرهموا بغضي

یہاں عدو بمعنی اعداء استعمال ہوا ہے۔ [24] یہ شعر نابغہ ذبیانی کا ہے اور اس کے دیوان[25] میں موجود ہے۔ اسے فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر الکبیر[26] میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے: { فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ أَخِيهِ ثُمَّ ٱسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَآءِ أَخِيهِۚ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ }[27]"پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے آخر کار

[20] الازہری، ضیاء القرآن، 1/484

[21] ہمدانی، ابن عقیل، شرح ابن عقیل، 2/318

[22] جوہری، صحاح، زیر مادہ (ھون)، (الاھانۃ)

[23] القرآن، 6:112

[24] الازہری، ضیاء القرآن، 1/593-592

[25] نابغہ ذبیانی، دیوان (ت: عباس عبد الساتر)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء، ص117

[26] فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر، دار الفکر، بیروت، 1981ء، 13/154-152

[27] القرآن، 12:76

نکال لیا وہ پیالا اس کے بھائی کی خورجی سے یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لیے۔" اس آیت میں موجود لفظ کاد کے معنی کی تعیین کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ ابن الانباری نے اس کا معنی أردنا کیا ہے کہ ہم نے اس طرح ارادہ کیا اور بطور استشہاد کسی شاعر کا یہ شعر بھی پیش کیا ہے:

ؔ کادت وکدت وتلک خیرا رادة

لوعاد من عهدالصباما قد مضٰی

یعنی اس نے بھی ارادہ کیا اور میں نے بھی ارادہ کیا اور یہ ارادہ بڑا بابرکت تھا بشرطیکہ بچپن کا گزرا ہوا زمانہ لوٹ آئے ۔ یہاں کاد بمعنی أرادہ ہے۔[28] اسی طرح آیت:{إِنَّ ٱلسَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ أَكَادُ أُخۡفِيهَا لِتُجۡزَىٰ كُلُّ نَفۡسِۭ بِمَا تَسۡعَىٰ }[29]" بے شک وہ گھڑی آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لیے وہ کوشاں ہے۔"

میں لفظ اکاد کے معنی کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آسان اور قابل فہم بات یہ ہے کہ یہاں اکاد بمعنی ارید ہے۔ یعنی میں نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ وقوعِ قیامت کے وقت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھوں۔ ابن الانباری نے بطور استشہاد ایک شعر نقل کیا ہے ۔جہاں اکاد ، أراد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے ۔قیل:معنی أكاد أخفيها أريدأخفيها۔قال الأنباري وشاهد هذا قول الفصيح من الشعر:

ؔ کادت وکدت وتلک خیر ارادة

لو عاد من لهوالصبابة مامضٰی

معناه أرادت وأردتُ یعنی اس نے بھی ارادہ کیا اور میں نے بھی ارادہ کیا اور یہ ارادہ بہت عمدہ تھا۔ کاش! محبت کی گرمجوشی جو ختم ہو چکی ہے۔ وہ بھی لوٹ آتی۔[30] اس شعر کو طبری نے تفسیر[31] میں، قرطبی نے تفسیر[32] میں اور ابن الانباری نے کتاب الاضداد[33] میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے :{ وَلَوۡ أَنَّ قُرۡءَانٗا سُيِّرَتۡ بِهِ ٱلۡجِبَالُ أَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ ٱلۡأَرۡضُ أَوۡ كُلِّمَ بِهِ ٱلۡمَوۡتَىٰۗ بَل لِّلَّهِ ٱلۡأَمۡرُ جَمِيعًاۗ أَفَلَمۡ يَاْيۡـَٔسِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَن لَّوۡ يَشَآءُ ٱللَّهُ لَهَدَى ٱلنَّاسَ جَمِيعٗاۗ وَلَا يَزَالُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُواْ قَارِعَةٌ أَوۡ تَحُلُّ قَرِيبٗا مِّن دَارِهِمۡ حَتَّىٰ يَأۡتِيَ وَعۡدُ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُخۡلِفُ ٱلۡمِيعَادَ}

---

[28] الازہری، ضیاء القرآن، 2/446

[29] القرآن، 15:20

[30] الازہری، ضیاء القرآن، 3/107

[31] طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (ت: د عبد اللہ ترکی) دار ہجر مصر، 2001ء، 16/39

[32] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 11/414

[33] محمد بن قاسم ابن الانباری۔ الاضداد، (ت: محمد ابو الفضل)، دائرۃ المطبوعات والنشر، کویت، 1960ء، ص 97

[34]"کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے جو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔اور کفار اس حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہے گا انہیں آئے دن اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ یا اترتی رہے گی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گردونواح میں یہاں تک کہ آجائے اللہ کے وعدہ کے ظہور کا دن بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ " کلمہ لم یایئس کے معنی کا تعین کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور حسن سے اس کا ترجمہ أفلم يعلموا (کیا انہوں نے نہیں جانا) مروی ہے۔ قرطبیؒ نے اس پر کئی اشعار سے استشہاد کیا ہے ان میں سے رباح بن عدوی کا یہ شعر ہے:

ألم ييئس الأقوام انى أنا ابنه ؎

وان كنت عن أرض العشيرة نائيا۔

یعنی کیا انہیں معلوم نہیں کہ میں اس کا بیٹا ہوں اگرچہ میں قبیلہ کی سرزمین سے دور ہوں۔[35] اس شعر کو الماوردی نے النكت والعيون[36]میں، قرطبی نے اپنی تفسیر[37]میں، ابو اللیث[38] نے سوالات نافع بن الازرق میں اسے مالک بن عوف سے منسوب کیا ہے، جبکہ مفسر طبری نے اپنی تفسیر[39] میں اور زمخشری نے اساس البلاغۃ[40]میں اسے نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{أَوۡ يَأۡخُذَهُمۡ عَلَىٰ تَخَوُّفٖ فَإِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوفٞ رَّحِيمٌ }[41]"یا پکڑ لے انہیں جب کہ وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں پس بے شک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔"

لفظ تخوف کے معنی کو متعین کرتے ہوئے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ تخوف کا معنی تنقص ہے یعنی پہلے انہیں کاروبار میں نقصان ہوتا ہے۔ کھیتی باڑی سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ پیداوار گھٹنی شروع ہو جاتی ہے۔ صحت بگڑنے لگتی ہے۔ تندرست و توانا جسم گھل کر لاغر و نحیف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب ان کی معیشت اور زندگی کا تنا کھوکھلا ہو جاتا ہے تو اچانک عذاب الٰہی کا طوفان آتا ہے اور اسے جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔ سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا اے لوگو! أو يأخذهم على التخوف کا کیا مطلب

---

[34] القرآن، 31:13

[35] الازہری، ضیاء القرآن، 2/491

[36] الماوردی، النکت والعیون، 3/113

[37] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 2/73

[38] ابو اللیث سمرقندی، بحر العلوم (تفسیر السمرقندی)، دار الکتب العلمیۃ، 1993ء، 2/383

[39] طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، 13/536

[40] جار اللہ زمخشری، اساس البلاغۃ، مکتبہ لبنان ناشرون، تحت مادہ (یئس)

[41] القرآن، 47:16

ہے۔ سب خاموش ہوگئے۔ بنی ہذیل کا ایک بوڑھا اٹھا۔ اس نے عرض کی: امیر المؤمنین! یہ ہماری لغت ہے۔ یہاں التخوف کا معنی التنقص ہے، یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹتے چلے جانا۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لفظ اس معنی میں عرب کے شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ وہ بولا جی ہاں! ہمارا شاعر ابو کبیر ہذلی اپنی اونٹی کے بارے میں کہتا ہے جس کی اونچی کوہان کو سفر کی طوالت نے لاغر کر دیا تھا:

تخوّف الرحل تامِكاً قَرِداً

كما تخوّف عود النبعةالسَّفَنَ

کہ کجاوے نے میری اونٹنی کی موٹی تازہ اونچی کوہان کو گھسا کر کم کر دیا ہے جس طرح نبعہ درخت کی لکڑی کو گھسانے والا آلہ گھسا کر چھوٹا کر دیتا ہے۔ یہ شعر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگو جاہلیت کے اشعار یاد کیا کرو۔ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی ہیں۔[42] اس شعر کو امام قرطبی نے اپنی تفسیر[43] میں اور امام بیضاوی نے اپنی تفسیر[44] میں نقل کیا ہے اور اسے ابو کبیر ہذلی سے منسوب کیا ہے۔ تہذیب اللغۃ[45] میں اسے ابن مقبل سے منسوب کیا گیا ہے اور یہ اس کے دیوان[46] میں موجود ہے۔ جوہری نے صحاح[47] میں اسے ذوالرمۃ سے منسوب کیا ہے۔ زمخشری نے کشاف[48] اور اساس البلاغۃ[49] میں زُہیر سے منسوب کیا ہے۔ بکری نے سمط اللآلی[50] میں اسے تعنب بن ام صاحب سے منسوب کیا ہے۔ اصفہانی نے اسے الاغانی میں حماد الروایۃ کے حالات کے تحت ذکر کیا ہے اور اسے ابن مزاحم ثعالبی سے منسوب کیا ہے۔ مفسر طبری نے اسے اپنی تفسیر[51] میں نقل کیا ہے مگر کسی سے منسوب نہیں کیا۔

- قرآن کریم میں ہے:{وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي ٱلْأَرْضِ مَرَحًاۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

[42] الازہری، ضیاء القرآن، 2/573

[43] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 12/332

[44] بیضاوی، محمد بن عمر بیضاوی، تفسیر البیضاوی، 2/182

[45] محمد بن احمد الازہری، تہذیب اللغۃ، زیر مادہ (خوف)

[46] ابن مقبل، دیوان، (ت: د۔ عزۃ حسن)، دار الشرق العربی، 1416ھ، ص405

[47] جوہری۔ صحاح، تحت مادہ (خوف)، (سفن)

[48] جاراللہ زمخشری، کشاف، دار المعرفۃ، بیروت، س-ن، 2/411

[49] زمخشری، اساس البلاغۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1998ء، ص178

[50] بکری، ابو عبید، سمط اللآلی، ص738

[51] طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، 14/235

فَخُورٍ}[52]"اور تکبر کرتے ہوئے نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کر زمین میں اتراتے ہوئے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی گھمنڈ کرنے والے، فخر کرنے والے کو۔" لفظ صعر کا مفہوم متعین کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ ابن منظور کہتے ہیں کہ صعر اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے جب یہ لگتی ہے تو اونٹ کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔الصعرداء يأخذ البعير فيلوى منه عنقه ويميله-اسی مناسبت سے جب کوئی شخص ازراہ غرور ونخوت اپنا منہ لوگوں کی طرف سے موڑ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ قد صعر خده وصاعره: أماله من الكبر۔اس مفہوم کی تائید کے لیے انہوں نے جریر کا یہ شعر نقل کیا ہے :

ے وكنا اذا الجبار صعّر خدّه

أقمنا له من ميله فتقوّما

یعنی جب کوئی جابر شخص ازراہ تکبر اپنے رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم بزور شمشیر اس کی کجی دور کر دیتے ہیں اور وہ درست ہو جاتا ہے۔[53]

عمرو بن حنی تغلبی نے اسے الشعر والشعراء[54] میں اور مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر[55] میں نقل کیا ہے اور اسے فتقوم لکھا ہے، جبکہ مفسر طبری کے نزدیک فتقوما ہے۔جوہری نے صحاح[56] میں اسے متلمس سے منسوب کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُواْ مَا عَٰهَدُواْ ٱللَّهَ عَلَيْهِۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُۥ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُۖ وَمَا بَدَّلُواْ تَبْدِيلًا }[57]"اہل یمان میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے وعدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جواں مردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض اس ساعت سعید کا انتظار کر رہے ہیں جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔"

لفظ نحب کا مفہوم متعین کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ نحب کہتے ہیں نذر اور عہد کو۔ لبید کا شعر ہے :

ے ألا تسئلان المرء ماذا يحاول

أنحب فيقضى أم ضلال وباطل

کیا تم اس سے نہیں پوچھتے کہ وہ کیا ارادہ کر رہا ہے، کیا اس نے کوئی وعدہ کیا ہے جسے پورا کیا جائے گا یا یہ صرف گمراہی

[52] القرآن، 18:31

[53] الازہری، ضیاء القرآن، 3/610

[54] ابن قتیبہ، الدینوری، الشعر والشعراء، مطبع بریل، لیدن، 1902ء، ص13

[55] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 16/480

[56] جوہری، صحاح، زیر مادہ (درء)

[57] القرآن، 23:33

اور جھوٹی لاف زنی ہے۔[58] اسے مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر[59] میں، امام سیوطی نے الاتقان[60] میں اور جوہری نے صحاح[61] میں اسے نقل کیا ہے۔ یہ شعر لبید بن ربیعہ کا ہے اور اس کے دیوان[62] میں موجود ہے۔

- قرآن کریم میں ہے: { وَمَا يَسْتَوِي ٱلْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُۥ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِن كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى ٱلْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ }[63] "اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے۔ یہ ایک میٹھا ہے بہت شیریں اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ دوسرا سخت نمکیں، کھاری تلخ، اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تر و تازہ گوشت اور نکالتے ہو زینت کا سامان، جسے تم پہنتے ہو۔ اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں کہ اسے چیرتی، شور مچاتی چلی جا رہی ہیں تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو اور یہ سب نوازشات لیے تاکہ تم شکر ادا کرو۔"

لفظ الْبَحْرَانِ کی تحقیق کرتے ہوئے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ اردو تراجم میں عام طور پر الْبَحْرَانِ کا معنی دو سمندر یا دو دریا کیا گیا ہے۔ حالانکہ سمندر سارے کھارے ہیں، کوئی میٹھا نہیں اور دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے، کھاری نہیں ہوتا۔ اس لیے جب تک لفظ بحر کی لغوی تحقیق نہ کی جائے یہ الجھن دور نہیں ہوتی۔ ابن منظور نے اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے البحر:الماء الكثير ملحا كان أو عذبا یعنی پانی کی کثیر مقدار اور وسیع ذخیرہ کو بحر کہتے ہیں خواہ وہ نمکین ہو یا شیریں۔ بحر کو بحر کہنے کی وجہ انہوں نے یہ لکھی ہے کہ اس میں وسعت اور انبساط کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے کوئی شخص بہت سخی ہو تو اسے کہتے ہیں انه لبحر کہ وہ تو بحر ہے۔ یہ درست ہے کہ عام طور پر بحر کا اطلاق سمندر پر ہوتا ہے لیکن میٹھے پانی کے وسیع ذخیرہ کو بھی اہل عرب بحر کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ مذکور نے ابن مقبل کا یہ شعر بطور استشہاد پیش کیا ہے:

ونحن منعنا البحر أن يشربو به ؎

و قد كان منكم ماء ه بمكان

یہاں بحر میٹھے پانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ میٹھے پانی کو ہی پینے سے روکا جاتا ہے۔[64] اسے ابن منظور نے

[58] الازہری، ضیاء القرآن، 36/4

[59] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 122/17

[60] سیوطی، الاتقان، ج1، ص28

[61] جوہری، صحاح، زیر مادہ (ذاب)

[62] لبید بن ربیعہ، دیوان، دار صادر، بیروت، س۔ن، ص131

[63] القرآن، 12:35

[64] الازہری، ضیاء القرآن، 164/4

لسان العرب[65] میں بھی نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِۦۖ وَإِنَّ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلۡخُلَطَآءِ لَيَبۡغِي بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٍ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَقَلِيلٞ مَّا هُمۡۗ وَظَنَّ دَاوُۥدُ أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ فَٱسۡتَغۡفَرَ رَبَّهُۥ وَخَرَّۤ رَاكِعٗاۤ وَأَنَابَ }[66]"فرمایا! بے شک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کرکے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملادے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور فوراً خیال آگیا داؤد (علیہ السلام) کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں۔"لفظ راکع کے معنی کو متعین کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ یہاں راکع سے مراد ساجد ہے اور رکوع سجود کے معنی میں اکثر استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے اس شعر میں:

؂ فخرّ علی وجهه راکعاً
وتاب الی االله من کل ذنب

یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہ الٰہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں راکعا کا معنی ساجداً ہے ۔ سجدہ کرنے والا۔[67]

اسے الماوردی نے النکت والعیون[68] میں اور مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر[69] میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{بَلۡ ظَنَنتُمۡ أَن لَّن يَنقَلِبَ ٱلرَّسُولُ وَٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِلَىٰٓ أَهۡلِيهِمۡ أَبَدٗا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمۡ وَظَنَنتُمۡ ظَنَّ ٱلسَّوۡءِ وَكُنتُمۡ قَوۡمَۢا بُورٗا }[70]"حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہر گز لوٹ کر نہیں آئے گا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف بھی اور بڑا خوش نما لگتا تھا یہ ظن فاسد تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن رہے۔ اس وجہ سے تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔"لفظ بور کی تحقیق کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ علامہ جوہری لفظ بور کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: البور:الرجل الفاسد الهالک الذي لاخیرفیه، یعنی بور اس شخص کو کہتے ہیں جو فاسد اور تباہ حال ہو جس میں نیکی اور بھلائی کا شائبہ تک نہ ہو۔ چنانچہ عبد اللہ بن الزبعری جب مشرف باسلام ہوا تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

؂ یا رسول الملیک ان لسانی

---

[65] الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، زیر مادہ (بحر)

[66] القرآن، 24:38

[67] الازہری، ضیاء القرآن، 4/234

[68] الماوردی، النکت والعیون، ج5، ص89

[69] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 18/177

[70] القرآن، 12:48

راتق ما فَتَقْتُ اذ أنا بوُرُ

یعنی اے ملک الملک کے رسول! جب میں گمراہ اور تباہ حال تھا اس وقت میری زبان نے جو چاک کیے۔ اب میں ان کو سینا اور رفو کرنا چاہتا ہوں۔[71] اس شعر کو مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر[72] میں اور جوہری نے صحاح[73] میں نقل کیا ہے ۔یہ شعر عبداللہ بن زبعری سہمی کا ہے اور اس کے دیوان[74] میں موجود ہے۔

- قرآن کریم میں ہے : {إِذۡ جَعَلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فِي قُلُوبِهِمُ ٱلۡحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَعَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَأَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ ٱلتَّقۡوَىٰ وَكَانُوٓاْ أَحَقَّ بِهَا وَأَهۡلَهَاۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمًا}[75] "جب کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو جگہ دی، وہی زمانہ جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخشی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حق دار اہل بھی تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔" لفظ حمية کے معنی متعین کرتے ہوئے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ قرطبی حمية کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الحمية فعيلة ،وهي الأنفة يقال:حميت عن كذا حمية ومحمية اذا أنفت منه وداخلك عار وأنفة أن تفعله۔

الا انني منهم و عرضي عرضهم

كذى الأنف يحمى أنفه أن يكشما

یعنی حمية کا وزن فعيلة ہے۔ اس کا معنی خود داری اور کسی چیز سے نفرت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حميت عن كذا: یعنی میں نے اس کام سے اجتناب اختیار کیا کیونکہ اس کام کا کرنا میرے لیے باعث ننگ و عار تھا۔[76] یہ شعر متلمس کا ہے۔ عبد القادر بغدادی نے اسے خزانۃ الادب[77] میں اور مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر[78] نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے: {تِلۡكَ إِذٗا قِسۡمَةٞ ضِيزَىٰٓ }[79]"یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں لفظ ضِيزٰى کی تحقیق کرتے ہوئے امام نحو و لغت کسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ضازيضوز

---

[71] الازہری، ضیاء القرآن، 4/543

[72] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 19/308

[73] جوہری، صحاح، زیر مادہ (بور)

[74] دیوان عبد اللہ بن زبعری سہمی، موسسۃ الرسالۃ بیروت، 1978ء، ص36

[75] القرآن، 26:48

[76] ازہری، ضیاء القرآن، 4/561

[77] البغدادی، خزانۃ الادب، مکتبۃ الخانجی، 1997ء، ص58

[78] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 19/335

[79] القرآن، 22:53

ضوزاً،وضاز يضاز ضأزاً: اذا ظلم وتعدّى وبخس انتقص۔ قال امرؤالقيس :

ضازت بنو أسدٍ بحكمهم

اذ يجعلون الرأس كالذنب

یہ مادہ تین باب پر آتا ہے۔ ضرب یضرب، نصر ینصر اور مہموز العین۔ اس کا معنی ہے ظلم کرنا، زیادتی کرنا، کسی کے حصہ میں کمی کرنا۔ امرؤالقیس کہتا ہے: بنو اسد نے اپنا فیصلہ کرتے ہوئے بڑی زیادتی کی ہے کہ انہوں نے سر کو دُم کی مانند بنا دیا ہے۔[80] قرطبی نے اپنی تفسیر[81] میں اور امام سیوطی نے الدر المنثور[82] میں اسے امرؤالقیس سے، جبکہ حضرت ابن عباس نے اپنے جوابات میں طستی سے منسوب کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{ٱلَّذِينَ يَجۡتَنِبُونَ كَبَٰٓئِرَ ٱلۡإِثۡمِ وَٱلۡفَوَٰحِشَ إِلَّا ٱللَّمَمَۚ إِنَّ رَبَّكَ وَٰسِعُ ٱلۡمَغۡفِرَةِۚ هُوَ أَعۡلَمُ بِكُمۡ إِذۡ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِ وَإِذۡ أَنتُمۡ أَجِنَّةٞ فِي بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمۡۖ فَلَا تُزَكُّوٓاْ أَنفُسَكُمۡۖ هُوَ أَعۡلَمُ بِمَنِ ٱتَّقَىٰٓ}[83] "جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر شاذ و نادر بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے وہ خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیز گار ہے۔"

اس آیت لفظ لمم کے معنی کو متعین کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ زجاج کہتے ہیں کہ لمم اور المام اس کام کو کہتے ہیں جو کبھی کیا جائے اور اس میں تعمق نہ کیا جائے اور اس میں ہیشگی نہ کی جائے۔ جب تو کسی آدمی کی ملاقات کے لیے جائے اور مل کر فوراً واپس آجائے تو کہتے ہیں المَمتُ بہ۔ عرب شاعر کا ایک شعر بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے:

المّت فحيّت ثم قامت فودّعت

فلما تولّت كادت النفس تزهقُ

وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی، اس نے سلام کیا، پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے الوداع کہا، جب اس نے پیٹھ پھیری تو قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے۔[84] اس شعر کو ابو تمام نے حماسہ[85] میں نقل کیا ہے اور اسے جعفر بن علبہ حارثی کی طرف منسوب کیا ہے۔

---

[80] ازہری، ضیاء القرآن، 5/28-27

[81] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 20/38

[82] سیوطی، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت، 1432ھ، 6/127

[83] القرآن، 45:5

[84] الازہری، ضیاء القرآن، 5/33

[85] ابو تمام، دیوان حماسہ، مطبع التوفیق مصر، 1322ھ، ص9؛ تبریزی، شرح دیوان حماسہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2000ء، ص11

- قرآن کریم میں ہے:{ وَٱلسَّمَآءِ وَٱلطَّارِقِ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلطَّارِقُ }[86] "قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے۔"لفظ الطارق کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ صبح کے وقت نمودار ہونے والے تارے کو الطارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صبح کا پیغامبر بن کر طلوع ہوتا ہے۔اس لیے اس کی بڑی شان ہوتی ہے۔ہندہ زوجہ ابوسفیان جنگ احد میں یہ رجز پڑھتی تھی۔

ے نحن بنات طارق

نمشي على النمارق

اس میں طارق سے مراد ستارۂ صبح ہے۔وہ کہتی ہے ہم نامور باپوں کی بیٹیاں ہیں، نرم و گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔[87] اسے ابن سعد نے طبقات[88] میں اور البزاز نے اپنی مسند[89] میں روایت کیا ہے۔اور جوہری نے صحاح[90] میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{إِرَمَ ذَاتِ ٱلۡعِمَادِ }[91]"ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے۔"لفظ عماد کی تفسیر کرتے ہوئے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ جوہری نے عماد کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:الأبنية الرفيعة، واحدة عمادة ،وقال الشاعر عمرو بن كلثوم:

ے ونحن اذا عماد الحى خرت

على الاحفاض تمنع من يلينا

وفلان طويل العماد اذا كان منزله معلما لزائريه

بلند وبالا قصر اور محلات کو عماد کہتے ہیں۔عمرو بن کلثوم کا شعر ہے کہ جب کسی قوم کا قصر عزت گر جاتا ہے تو ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس کا اونچا مکان اس کے زائرین کو دور سے معلوم ہو جائے تو عرب کہتے ہیں فلان طويل العمادّ۔[92] عمرو بن کلثوم کا یہ شعر اس کے دیوان[93] میں ہے۔اس کے علاوہ اسے ابن منظور افریقی نے لسان العرب

---

[86] القرآن،86:2-1

[87] الازہری،ضیاء القرآن،5/535

[88] محمد بن سعد ابن سعد، طبقات، مکتبۃ الخانجی،2001ء،2/40

[89] ابو بکر احمد بن عمرو البزاز، مسند، مکتبۃ العلوم والحکم،1430ھ،رقم الحدیث:979

[90] جوہری، صحاح، زیر مادہ (طرق)

[91] القرآن،5:45

[92] الازہری،ضیاء القرآن،5/557-552

[93] عمرو بن کلثوم، دیوان، دار الکتاب العربی،1991ء، ص119

[94]میں اور جوہری نے صحاح[95]میں بھی نقل کیا ہے۔

2 محاورات اور اسالیب کی تحقیق کے لیے استشہاد

کرم شاہ الازہری نے قرآن مجید میں استعمال ہونے والے محاورات اور اسالیب کی تحقیق کے لیے کلام عرب سے نظم ونثر کو لیا ہے، جن میں سے چند چیزیں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں:

- قرآن کریم میں ہے : { لَهُۥ دَعۡوَةُ ٱلۡحَقِّۚ وَٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِهِۦ لَا يَسۡتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيۡءٍ إِلَّا كَبَٰسِطِ كَفَّيۡهِ إِلَى ٱلۡمَآءِ لِيَبۡلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَٰلِغِهِۦۚ }[96]"اسی کو پکارنا سچ ہے اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور وہ جواب نہیں دے سکتے انہیں کچھ بھی مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے ہو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پانی کی طرف تا کہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے اور یوں تو پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔" عربی محاورہ باسط كفيه الى الماء کی تحقیق کرتے ہوئے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ امام لغت ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ عرب اس شخص کے لیے جو بے فائدہ کوشش کر رہا ہو۔ القابض على الماء بطور ضرب المثل پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے بطور استشہاد یہ شعر لکھا ہے:

وانی وایاکم وشوقا الیکم ؎
كقابض ماء لم يسعه الأنامل۔ [97]

اسے ابو ہلال نے کتاب الصناعتین[98]میں لم یسعہ کی بجائے لم تسقہ روایت کیا ہے۔ ابن منظور نے بھی لسان العرب[99]میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{ يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَن سَاقٖ وَيُدۡعَوۡنَ إِلَى ٱلسُّجُودِ فَلَا يَسۡتَطِيعُو ن[100]} جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے تو ان نابکاروں کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔" اس آیت میں محاورہ يكشف عن ساق کے استعمال کے بارے میں کرم شاہ کہتے ہیں کہ جب کوئی سخت تکلیف دہ اور مصیبت کا وقت آجاتا ہے تو اہل عرب یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں: شمّرت الحرب عن ساقها جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اوپر اٹھالیا۔ راجز کہتا ہے

---

[94] الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، زیر مادہ (عمد)

[95] جوہری، صحاح، زیر مادہ (عمد)

[96] القرآن، 14:13

[97] الازہری، ضیاء القرآن، 2/480

[98] ابو ہلال عسکری، کتاب الصناعتین، عیسیٰ البابی الحلبی، 1952ء، ص122

[99] الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، زیر مادہ (حرف الواو)۔

[100] القرآن، 42:68

قد كشّفت عن ساقها فشدّوا ؎

وجدّت الحرب بكم فجدّوا

اے بہادر و! لڑائی نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی ہے تم سب زور سے حملہ کرو۔ جنگ زوروں پر ہے۔ اب تم بھی سنجیدگی سے داد شجاعت دو۔[101]

اسے مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر[102] میں اور ابو العباس المبرد نے الکامل[103] میں نقل کیا ہے۔

3 نحوی قواعد کی تحقیق کے لیے استشہاد

کرم شاہ الازہری نے قرآن مجید میں موجود نحوی قواعد کی تحقیق کے لیے کلام عرب سے بطور استشہاد نظم و نثر کو لیا ہے، جن میں سے چند بیان کیے گئے نحوی قواعد کو بطور مثال یہاں پیش کیا جاتا ہے:

- قرآن کریم میں ہے: ﴿وَحَسِبُوٓاْ أَلَّا تَكُونَ فِتۡنَةٞ فَعَمُواْ وَصَمُّواْ ثُمَّ تَابَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡ ثُمَّ عَمُواْ وَصَمُّواْ كَثِيرٞ مِّنۡهُمۡۚ وَٱللَّهُ بَصِيرُۢ﴾[104] "اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہو گا انہیں عذاب تو اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے پھر نظر رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ ان پر پھر وہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔" فعل اور فاعل کے حوالے سے نحوی قاعدہ بیان کرتے ہوئے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل ظاہر ہو تو خواہ وہ جمع ہی کیوں نہ ہو فعل واحد ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عرب کی ایک لغت میں ایسے موقع پر بھی فعل کا جمع کا صیغہ مستعمل ہوتا رہتا ہے۔ جیسے أكلوني البواغيث یا جیسے فرزدق کا شعر ہے:

و لكن ديافيّ أبوه وأمه ؎

بحوران يعصرن السليط أقاربه

یہاں أقاربه فاعل ہے پھر بھی يعصرن جمع مؤنث ذکر ہوا۔[105] اسے ابن منظور نے لسان العرب[106] میں اور جوہری نے صحاح[107] میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے :﴿ وَلَقَدۡ ذَرَأۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلۡجِنِّ وَٱلۡإِنسِۖ لَهُمۡ قُلُوبٞ لَّا يَفۡقَهُونَ بِهَا وَلَهُمۡ أَعۡيُنٞ

---

[101] الازہری، ضیاء القرآن، 5/ 340-339

[102] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 22/ 175

[103] المبرد، الکامل، 2/ 494

[104] القرآن، 5:71

[105] الازہری، ضیاء القرآن، 1/ 495

[106] الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، زیر مادہ (سلط)

[107] جوہری، صحاح، زیر مادہ (دوف)

لَا يُبۡصِرُونَ بِهَا وَلَهُمۡ ءَاذَانٞ لَّا يَسۡمَعُونَ بِهَآۚ أُوْلَٰٓئِكَ كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّۚ }[108]"بے شک ہم نے پیدا کیے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے، وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔"لام کے استعمال کے بارے کرم شاہ لکھتے ہیں کہ لام کا استعمال عاقبت کے لیے قرآن اور فصحائے عرب میں کثیر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:{فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا } یعنی موسیٰ ؑکو فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا تاکہ وہ بڑا ہو کر ان کا دشمن بنے۔یہاں بھی لام عاقبت کے لیے ہے،غایت کے لیے نہیں کیونکہ اٹھانے والوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو کر ان کی ہلاکت و بربادی کا باعث بنیں۔بلکہ ان کا مقصد تو یہ تھا کہ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو ہمارے کام آئے گا لیکن ان کے اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بڑے ہو کر فرعون کو تباہ و برباد کر دیا۔اسی طرح عربی کا ایک شعر ہے:

وللموت تغذ والوالدات سخالها ؎

كما لخراب الدهر تبني المساكن

یہاں بھی لام غایت کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے؛کیونکہ مائیں بچے اس لیے تو نہیں جنتیں کہ وہ لقمہ اجل بنیں اور محلات اور حویلیاں اس لیے تو تعمیر نہیں کی جاتیں کہ وہ ویران ہو جائیں لیکن ہوتا ایسا ہی ہے۔جو پیدا ہوتا ہے اسے مرنا ہی پڑتا ہے اور جو عمارت کھڑی کی جاتی ہے وہ ایک نہ ایک دن پیوند خاک ہو کر رہتی ہے۔[109] اسے بغدادی نے خزانۃ الادب[110] اور ابن عبدربہ نے العقد الفرید[111] میں نقل کیا ہے۔

- قرآن کریم میں ہے:{قَالُوٓاْ إِنۡ هَٰذَٰنِ لَسَٰحِرَٰنِ يُرِيدَانِ أَن يُخۡرِجَاكُم مِّنۡ أَرۡضِكُم بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ ٱلۡمُثۡلَىٰ}[112]

"وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے بلاشبہ یہ دو جادوگر ہیں۔یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹا دیں تمہاری تہذیب و ثقافت کے مثالی طریقوں کو۔"اس آیت کے بارے میں کرم شاہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ایک نحوی الجھن ہے اور وہ یہ ہے کہ ان،ان کا مخفف ہے جو اسم کو نصب دیتا ہے اس لیے آیت یوں ہونی چاہیئے تھی: ان هٰذين لسٰحرين لیکن یہاں ھٰذان مرفوع ہے۔جو نحوی قاعدہ کے خلاف ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟[113] کرم شاہؒ نے اس الجھن کے حل کے لیے تین جواب دیئے ہیں۔دوسرے اور تیسرے جواب میں انہوں نے

---

[108] القرآن،179:7

[109] الازہری،ضیاء القرآن،105/2

[110] بغدادی،خزانۃ الادب،430/3

[111] ابن عبدربہ نے العقد الفرید،دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع،بیروت،208/1

[112] القرآن،63:20

[113] الازہری،ضیاء القرآن،119/3

عرب شعراء کے دو ابیات دلائل کے طور پر پیش کیے ہیں۔ مبرد اور اخفش جو نحو کے مسلم امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ان حروف ناصبہ میں سے نہیں ہے بلکہ نعم کا ہم معنی ہے۔ قرطبی نے کئی اشعار بطور استشہاد نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

ے و یقلن شیب قد علا

کَ وقد کبرت فقلت انه

انہوں مجھے ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اب تیرے بال سفید ہو گئے ہیں اور تو بوڑھا ہو گیا ہے تو میں نے کہا انہ یعنی ہاں ایسا ہی ہے۔[114] یہ شعر عبید اللہ بن قیس الرقیات کا ہے اور اس کے دیوان [115] میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں اسے قرطبی نے اپنی تفسیر[116] میں نقل کیا ہے۔ تیسرا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ عرب کے بعض قبائل تثنیہ کو رفعی نصبی اور جری حالت میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں، جیسے:

ے ان اباها و ابا اباها

قد بلغافی المجد غایتاها

بنی الحرث کعب، زبیر، خثعم، کنانہ سب تثنیہ کو الف کے ساتھ پڑھتے۔[117] اس رجز کے قائل ابو النجم عجلی ہیں اور یہ ان کے دیوان[118] میں ہے۔ مفسر قرطبی نے بھی اسے اپنی تفسیر[119] میں نقل کیا ہے۔

❖ قرآن کریم میں ہے : { إِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ ءَايَةً فَظَلَّتْ أَعْنَٰقُهُمْ لَهَا خَٰضِعِينَ }[120] "اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی۔" اس آیت میں موجود ایک نحوی الجھن کے بارے میں کرم شاہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں نحوی قاعدہ کے مطابق لفظ خاضعین کو خاضعۃ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ اعناقھم ظلت کا اسم ہے اور خاضعین خبر ہے۔ مطابقت مفقود ہے۔[121] علاوہ ازیں پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسم اگر مرکب اضافی ہو تو اس کی خبر یا اس کے فعل میں مضاف سے مطابقت کا خیال رکھنے کی بجائے مضاف الیہ کی مطابقت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ رجز کا شعر ہے :

---

[114] ایضاً

[115] عبید اللہ بن قیس الرقیات، دیوان، دار الصادر بیروت، ص66

[116] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج14، ص94

[117] الازہری، ضیاء القرآن، 3/119

[118] دیوان ابی النجم عجلی، مطبوعات مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، 2006ء، ص227

[119] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 14/91

[120] القرآن، 4:26

[121] الازہری، ضیاء القرآن، 3/384

؎ طول الليالى أسرعت في نقضي

طوين طولی و طوين عرضي

یہاں اسرعت اور طوین کا فاعل طول اللیالی ہے اور طول کیونکہ مذکر ہے اس لیے اسرع اور طویٰ ہونا چاہیے تھا لیکن طول مضاف کو نظر انداز کرکے اللیالی کالحاظ رکھا گیا اور فعل مؤنث لایا گیا۔ جریر کا شعر :

؎ أرى مرالسنين أخذن منى

كما أخذ السوار من الہلال

یہاں بھی سنین کی وجہ سے اَخذن ذکر کیا گیا اگر مر السنین کا لحاظ ہوتا تو اَخذ کہا جاتا۔ لیکن ایسا کرنا فقط اس مقام پر درست ہوگا جہاں اگر مضاف کو گرا دیا جائے تو معنی میں فساد نمودار نہ ہو۔[122]

- رجز:(طول الليالى أسرعت فضي نقضي) اغلب علجی کا ہے، جسے بغدادی نے خزانۃ الادب[123] میں اور مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر[124] میں نقل کیا ہے۔
- شعر: (ارى مر السنين اخذن منى) کو مفسر طبری نے اپنی تفسیر[125] میں، ابن عقیل نے شرح ابن عقیل[126] میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر[127] میں نقل کیا ہے۔

❖ قرآن کریم میں ہے : { سَنَدۡعُ ٱلزَّبَانِيَةَ }[128]"ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔"لفظ زبانیۃ کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ زبانية : یہ جمع ہے، اس کے واحد کے بارے میں کئی اقوال ہیں: کسائی کا قول ہے اس کا واحد زبنی ہے۔ اخفش کی رائے ہے کہ اس کا واحد زابن ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ زبنیۃ ہے۔ بعض نے زبانیتا یاہے۔ بعض علمائے لغت کے نزدیک یہ اسم جمع ہے۔ جیسے ابابیل اور عبادید جن کی پکڑ بہت سخت ہو، اہل عرب انہیں زبانیۃ کہتے ہیں۔ قال الشاعر:

؎ مطاعيم فى القصوىٰ مطاعين فى الوغىٰ

زبانية غلب عظام حلومها

وہ لوگوں کو خوب کھانا کھلاتے ہیں اور جنگ میں ان کی نیزہ افگنی بہت سخت ہے۔ ان کی گرفت بہت شدید ہے۔ ان

---

[122] الازہری، ضیاء القرآن، 3/384

[123] بغدادی، خزانۃ الادب، 4/226

[124] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 14/91

[125] طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، 16/19

[126] ابن عقیل، شرح ابن عقیل، ص31

[127] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 7/62

[128] القرآن، 96:18

کی گردنیں موٹی ہیں اور ان کی عقلیں بہت بڑی ہیں۔[129] یہ شعر ابن زبعری کا ہے۔ اسے ابن ہشام نے اپنی سیرت [130] میں، ماوردی نے النکت والعیون[131] میں، امام قرطبی نے اپنی تفسیر[132] میں اور ابن منظور افریقی نے لسان العرب [133] میں نقل کیا ہے۔

❖ قرآن کریم میں ہے : { أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ}[134]" جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو۔" اس آیت میں موجود ایک نحوی الجھن کے بارے میں پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ القیا تثنیہ کا صیغہ کیوں ذکر کیا؟ اس کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ خلیل اور اخفش کہتے ہیں کہ فصحائے عرب واحد کے لیے بھی بسا اوقات تثنیہ کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔ جس طرح ایک دوست کے لیے خلیل کی بجائے خلیلی (تثنیہ) عام مروج ہے۔ امرؤالقیس اپنے ایک رفیق سفر کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

ؔ قفانبک من ذکری حبیب ومنزل

اے میرے دوست ذرا ٹھہرو تا کہ ہم اپنے محبوب اور اس کی منزل کو یاد کر کے کچھ آنسو بہائیں۔ قف کی بجائے قفا تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔[135] شعر کا دوسرا مصرعہ ہے: بسقط اللویٰ بین الدخول فحومل- یہ امرؤالقیس کے مشہور قصیدہ کا مطلع ہے۔[136] امام قرطبی نے بھی اسے اپنی تفسیر[137] میں نقل کیا ہے۔

❖ قرآن کریم میں ہے:{تَعْرُجُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُۥ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ}[138]" فرشتے اور جبریلؑ اللہ کی بارگاہ میں عروج کرتے ہیں، یہ عذاب اس روز ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔" اس آیت میں مذکور ہے کہ یہ عذاب اس روز ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ اس دن کی طوالت اور اس کے جلدی گزرنے کے بارے میں کرم شاہ لکھتے ہیں کہ اس میں قطعاً کوئی اچنبھا نہیں۔ وقت کی مقدار ایک ہوتی ہے لیکن کسی کے لیے وہ وقت ایک لمحہ کی طرح گزر جاتا ہے اور کسی کے لیے وہ وقت بڑا طویل ہوتا ہے۔ قیامت کا دن تو وہی ہو گا

---

[129] الازہری، ضیاء القرآن، 5/ 616-615

[130] عبد المالک ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی، 1990ء، 1/ 312

[131] الماوردی، النکت والعیون، 6/ 309-308

[132] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 22/ 386

[133] الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، زیر مادہ (غلب)

[134] القرآن، 24:50

[135] الازہری، ضیاء القرآن، 4/ 616-615

[136] امرؤالقیس، دیوان، دار المعارف بیروت، 1984ء، ص 41

[137] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 19/ 448

[138] القرآن، 4:70

لیکن اہل ایمان کو وہ بڑا مختصر معلوم ہو گا اور بعض مجرموں کو وہ ہزار سال کے برابر محسوس ہو گا اور جو سخت متمرد اور باغی ہوں گے انہیں پچاس ہزار سال جتنا لمبا معلوم ہو گا۔ علامہ آلوسی نے عرب کے اشعار سے اس پر استشہاد کیا ہے:

؎ من قصر الليل اذا ذرتنى

اشكو وتشتكين من الطول

جس رات تو مجھے ملاقات کا شرف بخشتی ہے تو میں تو شکوہ کرتا ہوں کہ یہ رات نہایت مختصر تھی اور تو اس کے طویل ہونے کی شکایت کرتی ہے۔[139] اسے مفسر آلوسی نے اپنی تفسیر[140] میں نقل کیا ہے۔

❖ قرآن کریم میں ہے : { لَآ أَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُونَ وَلَآ أَنتُمۡ عَٰبِدُونَ مَآ أَعۡبُدُ }[141] "میں پرستش نہیں کیا کرتا ان بتوں کی جن کی پرستش تم کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس خدا کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔" ان آیات کی تفسیر میں منقول تفسیری اقوال ذکر کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ ان آیات کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ چوتھی آیت دوسری آیت کی تاکید کر رہی ہے، کیونکہ دوسری آیت جملہ فعلیہ ہے جو تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اور چوتھی جملہ اسمیہ ہے جو ثبات اور پختگی پر دلالت کرتا ہے۔ چوتھی آیت سے دوسری آیت کو مؤکد کر دیا ہے۔ تیسری آیت کی تاکید پانچویں آیت کر رہی ہے کیونکہ الفاظ بالکل یکساں ہیں۔ کلام عرب میں اس قسم کی تاکید نظم و نثر دونوں میں کثیر الاستعمال ہے۔ چنانچہ ایک شعر ہے :

؎ فعقّ الغراب ببين ليلىٰ غدوة

كم، كم وكم بفراق ليلىٰ ينعق [142]

کہ جدائی کا کوّا صبح کے وقت لیلیٰ کی جدائی کی خبر دینے کے لیے بولا، وہ کب تک، کب تک اور کب تک لیلیٰ کے فراق میں چلاتا رہے گا۔ اس شعر کا ماخذ ہمیں نہیں ملا۔

4 تاریخی نسبت کی تعیین کے لیے استشہاد

کرم شاہ الازہری نے قرآن مجید میں بیان کردہ تاریخی چیزوں کی نسبت کے تعین کی تحقیق کے لیے کلام عرب سے نظم و نثر کو بطور استشہاد لیا ہے، جن میں چند بطور مثال پیش کی جاتی ہیں:

➢ قرآن کریم میں ہے :{إِذۡ يَغۡشَى ٱلسِّدۡرَةَ مَا يَغۡشَىٰ }[143]"(اے کفار) کبھی تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے

---

[139] الازہری، ضیاء القرآن، 5/ 360-361

[140] آلوسی، محمود، سید، روح المعانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س۔ن، 29/ 57

[141] القرآن، 109:3-2

[142] الازہری، ضیاء القرآن، 5/ 693-694

[143] القرآن، 53:16

میں۔" لات بت کی نسبت کا تعین کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں کہ قتادہ کہتے ہیں کہ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا، جس کا استھان طائف میں تھا۔ اس شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وفرت ثقيف الى لا تها ؎

بمنقلب الخائب الخاسر

یعنی بنو ثقیف خائب اور خاسر ہو کر بھاگتے ہوئے اپنے لات کے پاس لوٹ آئے۔[144] اسے ابن ہشام نے اپنی سیرت[145] میں نقل کیا ہے اور اسے امیۃ بن ابی الصلت کی طرف منسوب کیا ہے۔

نتائج بحث

1. قرآن کریم کی تفسیر کے مآخذ میں ایک اہم مأخذ عربی لغت اور کلام عرب ہے۔ عہد صحابہ سے عصر حاضر تک کے مفسرین اس مأخذ سے استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔
2. تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری کی 20 سالہ محنت کا ثمرہ ہے یہ اپنی گوناگوں خوبیوں اور خصوصیات کی بنیاد پر اردو کے تفسیری ادب میں ایک امتیازی شان کی حامل تفسیر ہے. اس کی عبارت اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے۔
3. تفسیر ضیاء القرآن میں قرآنی الفاظ کے لغوی مفہوم کو واضح کرنے کے لئے سترہ مقامات، عربی محاورات اور اسالیب کی تحقیق کے لئے دو مقامات، نحوی قواعد کی تحقیق کے لیے آٹھ مقامات اور تاریخی نسبت کی تعین کے لیے ایک مقام پر کلام عرب سے استشہاد کیا گیا ہے۔
4. تفسیر میں کلام عرب سے استشہاد کو واضح، آسان، مختصر اور بلیغ انداز میں بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔
5. کلام عرب سے استشہاد کے حوالے سے لگتا ہے کہ عرب شعراء کے دواوین اور مجموعہ ہائے کلام کے دوسرے مآخذ مفسر کے پیش نظر نہیں رہے، اس سلسلے میں ان کا انحصار زیادہ تر تفسیری ادب اور خاص طور پر تفسیر قرطبی پر رہا ہے۔
6. متعدد مقامات پر کلام عرب سے استشہاد کرتے ہوئے جن اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے اگرچہ وہ بھی مناسب ہیں، مگر ان سے بہتر اشعار کا انتخاب کیا جاسکتا تھا۔

خلاصہ کلام

فصاحت و بلاغت کو زبان دانی میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ عرب پوری دنیا میں خاص طور پر اس فن میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں اور عرب میں بہت سے قبائل اپنی لغت، زبان کی فصاحت اور لہجہ کی صحت کے لحاظ سے مشہور تھے۔ عرب اسی زبان دانی میں مہارت کی وجہ سے ہمیں عجمی کہتے ہیں۔ عربوں کے کلام کو دیوان کہتے ہیں جو نظم اور نثر پر مشتمل ہے لیکن اس میں سے شاعری بہت اہم ہے۔ یہ شاعری ان کے تحفظِ نسب، فضائل و مناقب، عادات و اطوار، رسوم و رواج تعلیم و تعلم اور

---

[144] الازہری، ضیاء القرآن، 5/25

[145] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، 1/31

تہذیب وثقافت کی آئینہ دار ہے۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تو جہاں اس کے فہم کے لیے قرآن اور حدیث مبارکہ ایک اہم مصدر رہیں، وہاں یہی شاعری کتاب اللہ، احادیث رسولؐ اور اقوال صحابہ کے غرائب اور مشکل الفاظ کی تشریح وتوضیح کے لیے صحت اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عربی شاعری سے قرآن کریم کے غریب اور مشکل الفاظ کے معانی پر استشہاد کرنا صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور تابعین سے ثابت ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابن عباس بہت بڑا نام ہیں، جو اپنے دور میں خوارج اور دوسرے فرقوں کو قرآن کا بیان کردہ مفہوم کلام عرب سے ہی سمجھا دیتے جسے عرب کے لوگ رد نہ کرسکتے۔ مفسرین کرام نے تفسیر کے ذریعے کلام عرب سے ہمیں آشنا کرایا ہے۔ پیر کرم شاہ الازہری کا تعلق بھی ان چند مفسرین میں سے ہے جنہوں نے اپنی تفسیر میں کلام عرب کو بطور استشہاد کے استعمال کیا ہے۔ بعض مقامات پر علم بیان کے حوالے سے بھی اشعار سے استدلال کیا گیا ہے۔